© rasailojaraid.com

مولانا ارشاد الحق ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

مدیر بینات سے چند سوالات

ماہنامہ بینات کا خاص نمبر" اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم" کے عنوان سے رجب، وشعبان ۱۳۹۹ھ میں شائع ہوا جو دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔ جسے مدیر بینات مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے تحریر فرمایا ہے۔ اس جواب سے ممکن ہے سائل کی تسلی تو ہو جائے، مگر یقین جانیئے اختلاف مذاہب پر جس کی نظر ہے وہ اس سے مطمئن تو کجا اس کے شکوک وشبہات میں مزید اضافہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں چند سوالات بادی النظر میں اُبھر کر سامنے آتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ حضرت موصوف ان پر سنجیدگی سے غور فرماتے ہوئے فدوی کی بھی تشفی فرمائیں گے۔

(۱) آپ نے لکھا ہے کہ" ان بزرگوں (ائمہ اربعہ) میں بہت سے فروعی مسائل میں اختلاف ہے، مگر اپنی اپنی جگہ سب حق پر ہیں۔ اس لیے شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کے لیے ان میں سے جس کے اجتہاد کی بھی پیروی کی جائے صحیح ہے" (ص ۲۴) تقسیم دین کی اس غلط اصطلاح سے قطع نظر آپ ص ۱۰۶ پر لکھتے ہیں۔ "شریعت نے ایک چیز ایک موقع پر تجویز کی ہے جب ہم محض اپنی رائے اور خواہش سے اس کو دوسرے موقع پر تجویز کریں گے تو وہ بدعت ہو جائے گی۔ مثلاً درود شریف نماز کی آخری التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ اگر ہم اجتہاد لڑائیں کہ درود شریف کوئی بُری چیز تو نہیں اگر اس کو پہلی التحیات میں پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ تو ہمارا یہ اجتہاد غلط ہوگا اور پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا بدعت کہلائے گا۔" فقہاء اُمت نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی التحیات میں اللھم صلی علی محمد تک پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ لوٹانی ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاضائے اختصار کے باوجود ہم نے قوسین کی عبارت حرف بحرف دی ہے تاکہ عبارت میں قطع و برید کے الزام سے محفوظ رہ سکیں البتہ آخری الفاظ کو اختصاراً پیش کیا ہے۔ ان دونوں عبارتوں کو بغور ایک بار پھر پڑھ لیجئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا بدعت ہے۔ سجدہ سہو نہ کرے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ حالانکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ انہوں نے "کتاب الام" میں ذکر کیا ہے حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام اور حافظ سخاویؒ نے القول البدیع میں بھی ان کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ "ھذا ھو المشھور من مذھب" (القول البدیع ص۱۴۷ سیالکوٹ)

علاوہ ازیں آپ ص ۱۱۷ - ۱۱۹ پر فرماتے ہیں "شریعت نے جو عبادت جس خاص کیفیت میں شروع کی ہے اس کو اسی طرح ادا کرنا لازم ہے اور اس کی کیفیت میں تبدیلی کرنا حرام اور بدعت ہے" اس سلسلہ میں چند مثالیں ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں "حضرت عبداللہؓ بن مغفل کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا بیٹا یہ بدعت ہے"۔ گویا قاعدہ موضوعہ کی روشنی میں آپ بسم اللہ جہر پڑھنے کو حرام اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ ابن عباس ابن عمر ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور تابعین باحسان کی ایک جماعت اس کی قائل تھی۔ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کا اسی پر عمل تھا۔ قابل وضاحت یہ بات ہے۔ ایک طرف تو آپ بڑی معصومیت سے لکھتے ہیں کہ "ان بزرگوں میں فروعی مسائل میں اختلاف ہے، مگر اپنی اپنی جگہ سب حق پر ہیں"۔ مگر معاً بعد آپ بعض فروعی مسائل کو حرام غلط اور بدعت کہتے ہیں۔ کیا امام شافعیؒ فقہاء امت کی فہرست سے خارج ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ اختلاف میں آپ انہیں حق پر بھی کہیں اور پھر ان کے فقہی اختلاف کے بعض مسائل کو بدعت، حرام اور غلط بھی کہیں۔ ایں چہ بوالعجبی۔

(۲) آپ "وسیلہ کی تیسری صورت" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ وسیلہ کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ براہ راست بزرگوں سے تو اپنی حاجات نہ مانگی جائیں البتہ ان کی خدمت میں یہ گذارش کی جائے کہ وہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہماری حاجت و مراد پوری ہونے کی دعا فرمائیں"۔ اس کے بعد آپ نے اس کے بعض پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے (گو اس میں بھی بعض امور قابل استفسار ہیں) بالآخر اس بات کو آپ نے بالصراحت لکھا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی نبی و صدیق کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی فرمائش کی ہو۔ اسی طرح صحابہ و تابعین بھی ایک دوسرے سے دعا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درخواست کرتے تھے مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کسی شہید کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کی ہو۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں مُردوں سے طلب کرنا خواہ ان کی قبروں پر جا کر کی جائے یا غائبانہ بلاشبہ بدعت ہے، مگر جناب محترم حیرت ہے کہ مولانا محمود الحسن مرحوم ایاک نعبد وایاک نستعین کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطہ رحمت الٰہی سمجھ کر مدد مانگی جائے تو وہ عین باری تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے" (ملخصاً) اب آپ ہی وضاحت فرمائیں کہ حضرت مولانا صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ بریلی سے مولانا احمد رضا اور ان کی ذریت اس فعل کا ارتکاب کرے تو وہ بدعتی اور مشرک، مگر اسی کی سند جواز دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث سے آئے تو وہ پھر بھی موحد متبع سنت اور شیخ الہند قرار پائیں آخر اس فرق کا کیا جواز ہے؟ یہاں یہ بات بھی یقیناً فائدہ سے خالی نہ ہو گی کہ مولانا محمود الحسنؒ صاحب کی یہی عبارت لکھ کر جناب محمد ریاض احمد صاحب نے مولانا سید سلیمانؒ ندوی سے دریافت کیا تھا کہ پھر ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (زمر) اور اس مفہوم کی دوسری آیات کا کیا جواب ہے تو انہوں نے صاف صاف لکھا تھا کہ "اگر کوئی متوفی بزرگ ہے (جس سے مدد چاہی گئی ہے) تو حضرت شیخ الہند اور ان کے اتباع اس کو جائز سمجھتے ہیں، مگر ہمارے مرشد مولانا اشرف علی صاحب اس کو بدعت کہتے ہیں" (معارف ۴ ج ۵۸ ص ۳۰۸ سنہ ۱۹۴۶ء) معلوم ہوا آپ بھی حضرت تھانویؒ کی طرح اس عمل کو بدعت کہتے ہیں، مگر مولانا محمود الحسنؒ کے متعلق پھر کیا رائے قائم کی جائے گی؟

(۳) اسی طرح آپ نے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سے نقل کیا ہے کہ آنچہ جہاں میگویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ ۔ ۔ ۔ جائز نیست وکفر است۔ اس کا ترجمہ خود آپ نے یہ کیا ہے۔ "اور جو جاہل لوگ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ـــــ یہ جائز نہیں بلکہ شرک وکفر ہے"۔ مگر حضرت علامہ محمد انور صاحب کاشمیری فرماتے ہیں۔ واعلم ان الوظیفۃ المشھورۃ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ان حملنا علی الجواز فلا ریب ان لا اجر فیھا اصلا۔ ۔ ۔ ۔ وان نفع شیئاً کالرقی۔ فیض الباری ص ۴۶۶ ج ۲ یعنی معلوم رہے کہ عہد حاضر کا مشہور وظیفہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھنا اگر جواز پر محمول کیا جائے تو اس کا کوئی اجر وثواب نہیں ہو گا اگرچہ دم کی طرح اس کا نفع جائز ہے بلکہ حضرت تھانوی فرماتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لیے جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے (امداد الفتوی ص ۹۴ ج ۴) کیوں جی حضرت جو وظیفہ کفر و شرک ہے۔ اس کو صحیح العقیدہ پڑھ سکتا ہے اور اس سے دم جائز ہے۔ صحیح العقیدہ مسلمان یہ وظیفہ پڑھے گا تو اس کے پاس آخر کونسا حصار باقی رہ جائے گا کہ وہ کافر و مشرک نہ ہو جبکہ مسلمان پر ہی مشرک یا کافر کا فتویٰ

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔ مشرک نے پڑھا تو کیا ہوا وہ تو پہلے سے اس بیماری میں بتلا ہے۔ صد حیف کہ اگر یہی وظیفہ بریلوی حضرات پڑھیں تو آپ انہیں مشرک کہیں صرف اس لیے کہ وہ پہلے مشرک ہیں لیکن اس کی سند جواز دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور مولانا تھانوی دیں تو وہ پھر بھی خاتمۃ الحفاظ اور حکیم الامت قرار پائیں۔

(۴) آپ نے ص ۶۰ پر حضرت مجدد الف ثانی سے نقل کیا ہے کہ "جب ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے پس بدعت میں حسن و خوبی کے کیا معنی؟" پھر لکھتے ہیں "اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مجددؒ کا یہ ارشاد تو آب زر سے لکھنے کے لائق اور اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔" مگر اس بات کی بھی وضاحت فرمائیں کہ فقہاء نے نماز و روزہ کی نیت زبان سے ادا کرنے کو جو مستحسن اور بدعت حسنہ کہا ہے اور حنفی عوام و خواص کا اس پر عمل بھی ہے تو پھر ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ خود حضرت مجدد صاحب نے مکتوب صد و ہشتاد و ششم دفتر اول حصہ سوم ص۸۵ میں صراحت کی ہے کہ بعض علماء (فقہاء) نے زبان سے نیت کرنا مستحسن کہا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صحیح اور نہ ضعیف روایت سے یہ ثابت ہے نہ صحابہ و تابعین سے ایسا منقول ہے بس دستور یہ تھا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوتے وقت اسے اللہ اکبر کہتے تھے پس نیت بزبان بدعت است - لہٰذا زبان سے نیت بدعت ہے۔" اسی طرح جن اکابر شوافع و احناف نے بدعت کی تقسیم (حسنہ و سیئہ) کی ہے ان کے متعلق کیا رائے ہے۔

(۵) آپ لکھتے ہیں کہ "غیر اللہ کے نام پر دی ہوئی نذر اگر پوری کر دی گئی اور اگر وہ (جانور) غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا خواہ بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی ہو اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا ص۴۲" مگر حضرت کاشمیریؒ صاحب فرماتے ہیں کہ "واعلم ان الاھلال نصیر اللہ ان کان فعلاً حراماً لکن الحیوان المھلل حلال ان کان ذکاہ بشرائطہ وکذٰلک الحلوان یتقرب بھا الاوثان ایضاً جائز علی الاصل" فیض الباری ص۱۸۰ ج۴ یعنی غیر اللہ کے نام جانور کو پکارنا اگرچہ حرام ہے مگر وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر پکارا گیا اگر اسے شرعی (تکبیر) طریقہ سے ذبح کیا جائے تو حلال ہے۔ اسی طرح چڑھاوے کی مٹھائی بھی جائز ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک فتویٰ حضرت تھانویؒ سے فتاویٰ اشرفیہ میں بھی منقول ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ان بزرگوں کے یہ فتاویٰ نصوص شرعیہ کے کس حد تک موافق ہیں۔

(۶) آپ بڑے وثوق سے فرماتے ہیں کہ "اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی (ص ۸۷) حالانکہ مولانا محمد ادریسؒ صاحب کاندلوی نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرۃ المصطفیٰ ص ۲۰۵ ج ۳ لکھا ہے کہ "مشہور قول کی بنا پر ۱۲ ربیع الاول کو وفات ہوئی۔ موسیٰ بن عقبہ اور لیث بن سعدؒ اور خوارزمیؒ نے یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات بتلایا ہے اور کلبی اور ابو مخنف نے دوم ۲ ربیع الاول۔ علامہ سہیلیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے"۔ بلکہ علامہ سہیلیؒ نے لکھا ہے یوم الاثنین یعنی سموار کا دن کسی طرح بھی ۱۲ ربیع الاول کو نہیں ہونا (روض الانف ص ۲۷۲ ج ۲) مورخ ہند علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی ص ۱۷۴ ج ۲ میں یکم ربیع الاول کو تاریخ وفات قرار دیا ہے اور مولانا غلام رسول مہر نے "رسول رحمت" ص ۶۵۴ میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ نامعلوم آپ نے دعوی عدم اختلاف میں کسی پر اعتماد کیا ہے اور اس وثوق کو تاریخی اعتبار سے کتنی تائید حاصل ہے۔

(۷) آپ فرماتے ہیں کہ "شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے گی، مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے" (ص ۱۱۸) آج علمائے احناف میں جو عمل عموماً رائج ہے کہ فرض نماز کے بعد قبلہ شریف کی طرف کیے ہوئے ہی امام اور مقتدی مل کر دعا کرتے آپ غالباً اس عمل کو سند جواز عطا فرما رہے ہیں۔ لیکن شریعت کا یہ حکم کہاں ہے آنحضرت کے قول و عمل سے اسے کہاں تک تائید حاصل ہے؟ حافظ ابن قیمؒ نے تو لکھا ہے "اما الدعاء بعد السلام من الصلوٰۃ مستقبل القبلۃ او المامومین فلم یکن ذلک من ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم أصلا ولا روی عنہ باسناد صحیح ولا حسن" (زاد المعاد ص ۶۶ ج ا الطبعۃ ثانی ۱۹۵۰ء) یعنی نماز کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا کرنا امام یا مقتدیوں کا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے بالکل ثابت نہیں اور یہ نہ سند صحیح سے ثابت ہے اور نہ حسن سے۔

(۸) آپ ص ۲۲ پر لکھتے ہیں کہ "اہلحدیث حضرات کے نظریاتی اختلاف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات شوق اجتہاد میں اجماع امت سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں۔

(۱) تراویح (۲) تین طلاق بلفظ واحد، پھر آپ نے لکھا ہے کہ "یہ حضرات ان دونوں مسائل میں اجماع امت سے ہٹ کر شیعوں کے نقش قدم پر ہیں اور حضرات خلفاء راشدین کی پیروی کا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے" (ص ۲۲) جس پر آپ نے مسائل کو متنبہ کیا ہے کہ یہ بھی گویا صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی جماعت ہے۔

مجھے یہاں ان دونوں مسئلوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ طلاق ثلاثہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق اُمت میں اختلاف کا ذکر علامہ ابن تیمیہؒ کے علاوہ علامہ شامیؒ، مولانا عبدالحیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر علمائے احناف نے بھی تسلیم کیا ہے بلکہ علمائے احناف میں سے بعض نے علمائے اہلحدیث کی تائید بھی کی ہے۔ رہی بات تراویح کی تو اس کے متعلق مولانا خلیل احمد سہارنپوری مولف بذل المجہود فرماتے ہیں "سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر اختلاف ہے تو بارہ میں"۔......

(البراہین القاطعہ ص ۱۹۵)

اب آپ ہی از راہِ انصاف فرمائیں کہ اتفاق واجماع آٹھ پر ہے یا بیس پر اختلاف وتفریق کی خلیج کس نے پیدا کی؟ نیز مسئلہ صرف بیس رکعت کا نہیں بلکہ بیس سنت مؤکدہ ہونے کا ہے جیسا کہ حنفی مذہب ہے، لیکن کیا باقی ائمہ ثلاثہ بلکہ تمام اُمت کا یہی فتوی ہے۔ افسوس آپ اس گتھی کو سلجھائے بغیر اس پر ائمہ اربعہ کے اتفاق کا دعوی کر رہے ہیں سچے افسوس ہے کہ آج تک علمائے احناف نے اس سلسلہ میں اپنے مسلک کو چھپایا ہے اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ احناف عوام اگر آپ کے مسلک کی حقیقت کو جان لیں تو یہ نعرہ مستانہ لگائے بغیر نہ رہ سکیں کہ ھذا افراق بیننا وبینکم۔ ہم اس کی نشاندہی ان شاء اللہ کسی مناسب وقت میں کریں گے۔ خیر یہ مقام بحث نہیں، بلکہ مقامِ استفسار ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ فقہ حنفی میں متعدد مسائل ایسے ہیں جو اجماع کے خلاف ہیں اور خلفائے راشدین کی پیروی کا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو دیا تھا اس کا رشتہ ان کے اعلمار احناف کے، ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے، مثال کے طور پر دو ہی کی نشاندہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) حلالہ مروجہ کے متعلق آنحضرت کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ محلل ومحلل لہ پر لعنت فرمائے حضرت عمر فاروقؓ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"وقد اتفق الصحابة على النهي عنه مثل عثمان وعلی وابن مسعود وابن عباس وابن عمر وغيرهم ولا يعرف عن احد من الصحابة انه اعاد المرأة الى زوجها بنكاح التحليل"۔ فتوی کبری ص ۲۳ ج ۳۔

یعنی صحابہ کرام اس کے منع ہونے پر متفق ہیں جیسے حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر وغیرہ رضی اللہ عنہم سے اور کسی ایک صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے نکاح تحلیل کے بعد پہلے خاوند سے اس کا نکاح کرایا ہو۔ اسی طرح آگے چل کر فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت نہیں کہ "انهم اعادوا المرأة على زوجها بنكاح التحليل"۔ ایضاً ص ۲۶ ج ۳۔ مگر فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ حلالہ کے بعد نکاح اسی خاوند سے ہو جاتا ہے، بلکہ بعض نے تو لکھا ہے "واما اذا أضمر ذلك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لایکرہ وکان الوجل ماجورالقصد الاصلاح" (درمختار ص۴۱۵ ج۲ طبع ثانی ۱۹۶۶ء) یعنی اگر حلالہ کا ارادہ دل میں کیا اور ظاہر نہ کیا تو اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا کیونکہ اصلاح کے ارادہ سے کیا ہے۔ اسی طرح علامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ ص۲۹۸ ج۲ طبع ملتان نے لکھا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو حلالہ سے نکاح لوٹانے کا فتویٰ نہ دیں مگر یہ بزرگ الٹا اس پر اجر و ثواب کا فتویٰ بھی دیں تو کیا انہوں نے "اجماع صحابہ" کی مخالفت نہیں کی؟ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "خلفاء راشدین کی پیروی کا جو حکم امت کو دیا تھا۔ اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے" یا نہیں؟

(۲) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ذکاۃ الجنین ذکوٰۃ امہ یعنی اگر بکری وغیرہ کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلا تو اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کی ماں (بکری) کا ذبح ہی کافی ہے۔ یہ حدیث گیارہ صحابہ کرام نے روایت کی ہے تمام صحابہ کرام کا اسی پر فتویٰ تھا۔ علامہ ابن المنذرؒ فرماتے ہیں۔

"انہ لم یروعن احد من الصحابۃ ولا من العلماء ان الجنین لا یؤکل الا باستئناف الزکوٰۃ الا ما روی عن ابی حنیفۃ"۔ نیل الاوطار ص۱۴۵ ج۸۔

یعنی امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ وہ کہتے ہوں بچے کو ذبحہ کرنے کے بعد ہی کھانا چاہیئے۔ صحابہ کرام کے اجماع کا ذکر علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان اور علامہ محمد طاہر پٹنی نے مجمع البحار میں بھی کیا ہے اور صراحت کی ہے۔ سب سے پہلے اجماع کی مخالفت امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے۔ اگر کہا جائے کہ امام محمد نے موطا میں نقل کیا ہے کہ امامؒ صاحب سے قبل ابراہیم نخعی کا بھی یہی فتوی ہے تو جواباً گذارش ہے کہ روایتاً اس اثر پر بحث کی گنجائش ہے جس کا یہ محل نہیں نیز ابراہیم نخعی کا فتویٰ اس کے خلاف المحلی ص۴۲۱ ج۷ میں ہے جو کہ صحابہ کرام کے موافق ہے۔ آخر صحابہ کرام کے مخالف فتویٰ کو کن قرائن کی بناء پر ترجیح دی جائے گی؟ اور اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو صحابہ کے اجماع پر ابراہیم نخعی کی مخالفت اثر انداز نہیں ہوتی۔ کیا یہاں یہ بات صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ "بعض اوقات شوق اجتہاد میں اجماع صحابہ سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں" اور "خلفاء راشدین کی پیروی کا جو حکم تھا اس کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے"؟

ہم نے یہاں صرف دو ہی مسائل کی نشاندہی کی ہے ورنہ کتنے مسائل ہیں جن میں خلفاء راشدین کا قول و عمل فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ ضرورت محسوس ہوئی تو انشاء اللہ وضاحت کر دی جائے گی سوال یہ ہے کہ انہی قسم کے مسائل کی موجودگی میں فقہ حنفی کی کیا پوزیشن ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیشہ کے محل میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ باری کرنا نادانوں کا کام ہے مگر افسوس یہ فعل جناب محترم سرانجام دے رہے ہیں۔ سردست انہی سوالات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ مقالہ میں بعض مقامات ایسے ہیں جو خود ایک رسالہ کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ آپ کی (مدیر صاحب) خدمت میں استدعا ہے کہ جس طرح پہلے آپ نے وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تفصیلی جواب رقم فرمایا۔ ہماری ان معروضات پر بھی ٹھنڈے دل سے غور فرماتے ہوئے جواب دیں گے۔

وما اریدالا الاصلاح

صنعتکار اور تاجر حضرات

سے گذارش ہے۔ کہ وہ ماہنامہ ترجمان الحدیث میں اشتہار دے کر اپنے کاروباری فائدہ کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب اسلام کی نشر و اشاعت میں اعانت کا فریضہ بھی انجام دیں۔

(مینجر ادارہ)

© rasailojaraid.com